اقوال زریں

- غیرت کو غصہ پر ترجیح ہے، اگر تمہیں برے کاموں کے لیے ملامت کی جائے تو غصہ مت کرو، بلکہ غیرت سے کام لے کر اس کو ترک کرنے کی کوشش کرو۔
- مطالعہ اس طرح کرو کہ ہر لفظ کے معنی اور ہر فقرہ کا مطلب مع کل عبارت کے سمجھتے جاؤ، تاکہ یاد رکھ سکو۔

جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

محمد حنیف خان

مرکز میں ہی حکومت سازی کا عمل مکمل ہو چکا ہے۔ تین گرنڈ آزادی والی نمائندہ حکومت میں شامل نتیش کمار کیا ہے۔ مرکز میں موجودہ حکومت سے اس طرح کی امید بھی تھی، اس لیے یہ حیرت انگیز بالکل نہیں ہے۔ وزیر اعظم نریندر مودی جس طرح سے اپنی ریلیوں میں خطاب کر رہے تھے وہ سب ریکارڈ بنے ہیں اس سے قبل ان کی حکومت نے گزشتہ دس برسوں میں ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے ساتھ جس طرح کا رویہ اختیار کیا، وہ بھی سب کے سامنے ہے، ایسے میں حکومت میں نمائندگی نہ دینا کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس پر بحث و مباحثے کی ضرورت ہو۔ البتہ یہ سوال ضرور کیا جا رہا ہے کہ اس الیکشن میں ہندوستانی مسلمانوں کو کیا ملا؟ الیکشن سے قبل ان کی نفسیات کیا تھی؟ الیکشن کے بعد ان کی نفسیات میں کس طرح کی تبدیلی آئی؟

ان سوالوں کا ایک جملے میں یوں جواب دیا جا سکتا ہے کہ مرکز میں این ڈی اے کی حکومت ضرور بن گئی مگر مسلمانوں کا خوف چلا گیا۔ اس اجمال کی تفصیل خاصی طویل ہے۔ برطانوی اخبار ڈی گارجین نے ہندوستانی الیکشن کے رول بک میں درج اصول وضوابط سے اپنے اس اداریے کا آغاز کیا تھا اور لکھا تھا کہ کوئی بھی پارٹی یا امیدوار کسی ایسی سرگرمی میں شامل نہیں ہوگا جو اختلافات کو فروغ دے یا باہمی منافرت کو بڑھاتے یا مختلف ذاتوں اور برادریوں کے درمیان مذہبی یا سانی کشیدگی کا باعث بنے۔ اس کے بعد وزیر اعظم کے حوالے سے استفہامیہ انداز میں لکھا: "Has anyone told Narendra Modi ?Indias Prime Minister has resorted to overtly islamophobic language during the two month campaign, painting ideas 200 million muslims as an existential threat to hindu majority" یعنی ''کیا کسی نے نریندر مودی کو یہ بتایا ہے؟ ہندوستان کے وزیر اعظم نے دو ماہ کی مہم کے دوران کھلے عام اسلام دشمن زبان کا استعمال کیا جس نے ہندوستان کے 200 کروڑ مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے وجود کے لیے خطرہ قرار دیا''۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وزیر اعظم نریندر مودی نے اپنی ریلیوں کے دوران کس طرح سے زبان کا استعمال کیا اور ان کے مقاصد کیسے تھے مگر ہے جو معاشرے پر بہت زیادہ اثر انداز ہونے والے ہیں۔ اداریے میں لکھا گیا تھا: India's prime minister encourages a belief in his Divinity ,leading flowers to think it is gods purpose to spread fear and loathing یعنی ''ہندوستان کے وزیر اعظم اپنی الوہی طاقت ہونے میں یقین کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اپنے حامیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ خوف اور نفرت پھیلانا خدا کا مقصد ہے''۔ لیکن الیکشن کے بعد ہوا کیا؟ اس کے بالکل برعکس۔ اس الیکشن اور اس کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا کہ خوف اور نفرت کے لیے محبت کی اس سرزمین پر کوئی جگہ نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم بچوں کا قومی گیت میں کہا تھا:

رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا
جنت ہے جس زمیں کی فضا میں جینا

جنت والی فضا کو الیکشن کے دوران مسمہم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ڈی گارجین نے ہندوستانی الیکشن کے رول بک میں درج اصول وضوابط سے اپنے اس اداریے کا آغاز کیا تھا اور لکھا تھا کہ کوئی بھی پارٹی یا امیدوار کسی ایسی سرگرمی میں شامل نہیں ہوگا جو اختلافات کو فروغ دے یا باہمی منافرت کو بڑھائے یا مختلف ذاتوں اور برادریوں کے درمیان مذہبی یا سانی کشیدگی کا باعث بنے۔ اس کے بعد وزیر اعظم کے حوالے سے استفہامیہ انداز میں لکھا: "Has anyone told Narendra Modi ?Indias Prime Minister has resorted to overtly islamophobic language in his campaign speeches" (نریندر مودی کی انتخابی تقریروں میں ہندوستان کے وزیر اعظم نے کھلے عام اسلام دشمن زبان کا استعمال کیا ہے؟) اس کے بعد ڈی گارجین نے لکھا: "India's prime minister encourages a belief in his Divinity ,leading flowers to think it is gods purpose to spread fear and loathing" (ہندوستان کے وزیر اعظم اپنی الوہی طاقت ہونے میں یقین کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اپنے حامیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ خوف اور نفرت پھیلانا خدا کا مقصد ہے)۔ لیکن الیکشن کے بعد ہوا کیا؟ اس کے بالکل برعکس۔ اس الیکشن اور اس کے نتائج نے یہ ثابت کر دیا کہ خوف اور نفرت کے لیے محبت کی اس سرزمین پر کوئی جگہ نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم بچوں کا قومی گیت میں کہا تھا:

رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا
جنت ہے جس زمیں کی فضا میں جینا

جنت والی فضا کو الیکشن کے دوران مسمہم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ڈی گارجین نے ہندوستانی الیکشن کے رول بک میں درج اصول وضوابط سے اپنے اس اداریے کا آغاز کیا تھا اور لکھا تھا کہ کوئی بھی پارٹی یا امیدوار کسی ایسی سرگرمی میں شامل نہیں ہوگا جو اختلافات کو فروغ دے یا باہمی منافرت کو بڑھائے یا مختلف ذاتوں اور برادریوں کے درمیان مذہبی یا سانی کشیدگی کا باعث بنے۔ اس کے بعد وزیر اعظم کے حوالے سے استفہامیہ انداز میں لکھا: "Has anyone told Narendra Modi ?Indias Prime Minister has resorted to overtly islamophobic language in his campaign speeches" (نریندر مودی کی انتخابی تقریروں میں ہندوستان کے وزیر اعظم نے کھلے عام اسلام دشمن زبان کا استعمال کیا ہے؟) اس کے بعد ڈی گارجین نے لکھا: "India's prime minister encourages a belief in his Divinity ,leading flowers to think it is gods purpose to spread fear and loathing" (ہندوستان کے وزیر اعظم اپنی الوہی طاقت ہونے میں یقین کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اپنے حامیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ خوف اور نفرت پھیلانا خدا کا مقصد ہے)۔ لیکن الیکشن کے بعد ان کا رویہ بدل گیا۔ ڈی گارجین نے ہندوستانی الیکشن کے نتائج کے بعد 30 جون کو ہنا ایلس (Hanna Ellis) اور پیٹرسن (Petersen) کی رپورٹ بعنوان: 'Indian democracy fought back': Modi humbled as opposition gains ground شائع کی۔ جس کا آغاز ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ یہ الیکشن ظاہر کرتا ہے نفرت کی سیاست کو مسترد کر دیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں بی جے پی کی نفرت انگیز مہم اس کے حامیوں کی سوچ اور ہندوستانی ووٹروں کی خواہش اور ان کے عمل کو واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح سے ووٹروں نے فاشزم اور آمریت کے خلاف ووٹ کر کے جمہوریت کو بحال کیا ہے۔

ان دونوں رپورٹوں کا یہ ذکر اس لیے ضروری تھا کہ ہندوستان کے ووٹروں کا شکریہ، جنہوں نے نفرت اور زہریلی سیاست کو مسترد کرتے ہوئے جمہوری سرزمین پر محبت کے ہی گلاب کھلانا پسند کیے۔ اور اسی اخبار نے الیکشن کے نتائج کے بعد 30 جون کو ہنا ایلس (Hanna Ellis) اور پیٹرسن (Petersen) کی رپورٹ بعنوان: 'Indian democracy fought back': Modi humbled as opposition gains ground شائع کی۔ جس کا آغاز ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ یہ الیکشن ظاہر کرتا ہے نفرت کی سیاست کو مسترد کر دیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں بی جے پی کی نفرت انگیز مہم اس کے حامیوں کی سوچ اور ہندوستانی ووٹروں کی خواہش اور ان کے عمل کو واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح سے ووٹروں نے فاشزم اور آمریت کے خلاف ووٹ کر کے جمہوریت کو بحال کیا ہے۔

> **وزیر اعظم اور ان کی پارٹی سے متعلق موہن بھاگوت کی گفتگو ان کا اندرونی معاملہ ہوسکتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس الیکشن نے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہاں کی مٹی میں نفرت کے بیج نہیں اگائے جاسکتے ہیں۔**

ان دونوں رپورٹوں کا یہ ذکر اس لیے ضروری تھا کہ ہندوستان کے ووٹروں کا شکریہ، جنہوں نے نفرت اور زہریلی سیاست کو مسترد کرتے ہوئے جمہوری سرزمین پر محبت کے ہی گلاب کھلانا پسند کیے۔ اور اسی اخبار نے الیکشن کے نتائج کے بعد 30 جون کو ہنا ایلس (Hanna Ellis) اور پیٹرسن (Petersen) کی رپورٹ بعنوان: 'Indian democracy fought back': Modi humbled as opposition gains ground شائع کی۔ جس کا آغاز ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ یہ الیکشن ظاہر کرتا ہے نفرت کی سیاست کو مسترد کر دیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں بی جے پی کی نفرت انگیز مہم اس کے حامیوں کی سوچ اور ہندوستانی ووٹروں کی خواہش اور ان کے عمل کو واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح سے ووٹروں نے فاشزم اور آمریت کے خلاف ووٹ کر کے جمہوریت کو بحال کیا ہے۔

اندازہ ہو کر دیا پانی جے پی کی سیاست اور یہاں کے عوام کو کس طرح سے دھکیلتی ہے۔ جمہوریت جو یکسانیت والی طرز حکومت ہے، اسے گزشتہ دس برسوں کی اکثریت والی حکومت میں کہاں پہنچا دیا گیا تھا اور اس الیکشن کے بعد جمہوریت کی کیا صورت حال ہے۔ ان دونوں رپورٹوں سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو اس الیکشن سے کیا ملا کیونکہ جمہوریت کو آمریت میں تبدیل کرنے کا سب سے بڑا نقصان ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کو ہی جھیلنا پڑ رہا تھا۔ ایک طرف مرکزی اور ریاستی حکومتیں قانون سازی کے ساتھ ہی ادارے قانون اقلیتوں کا ناطقہ بند کر رہی تھیں تو دوسری جانب ہر الیکشن کے بعد بی جے پی کے ووٹ میں اضافہ ہو رہا تھا جس سے مسلمانوں کے ساتھ ہی یہاں کا انصاف پسند طبقہ بھی تھم گیا تھا۔ دوسری جانب بی جے پی اور اس کے حامیوں کی نفسیات تفرق کا شکار ہو کر اس نے یہ مان لیا تھا کہ بی جے پی کو نہیں ہرایا جا سکتا ہے مگر اس الیکشن نے آمریت اور فاشزم کے پر کتر دیے ہیں۔

حکومت سازی کے بعد اگرچہ مسلمانوں کو حکومت میں شامل نہیں کیا گیا لیکن جس طرح کی بیساکھی کے سہارے حکومت سازی کی گئی ہے اور جن سیاست دانوں کے تعاون سے بی جے پی دوبارہ اقتدار میں آئی ہے، اس سے مسلمانوں کے ساتھ ہی انصاف پسند لوگوں کو راحت کی سانس دی ہے۔ چندرا بابو نائیڈو اور بی جے پی کے مینوفیسٹو کا اگر تقابلی مطالعہ کر لیا جائے یا دونوں کی فکر کو مرکز بنا کر جائزہ لے لیا جائے تو بعد امثر قمین نظر آئے گا۔ ایک نے جہاں وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کام کرے گا۔ ہر شہر میں عیدگاہ اور قبرستان کے لیے زمینیں مختص کی جائیں گی، ماموں اور مؤذنوں کو سرکاری تنخواہ دی جائیں گی اور مساجد کو سالانہ بنیاد پر امدادی رقم فراہم کی جائے گی، وہیں دوسرا الیکشن میں یہ کہتا پھر رہا تھا کہ اپوزیشن والے اکثریتی طبقے کی خواتین کے زیورات چھین کر مسلمانوں میں تقسیم کردیں گے۔ اس بعد اشرم قمین کے باوجود دونوں ساتھ آ اور حکومت سازی کی۔ اسی طرح گرنتھیں کمار کی فکر اور ان کے ماضی کا جائزہ لیا جائے تو ان کی سیاست بھی فاشزم سے دور رہی ہے اگرچہ حکومت میں رہنے کے لیے وہ وقتاً فوقتاً بی جے پی کے ساتھ آتے رہے ہیں مگر اپنے قدم پیچھے کھینچنے پر آ گئے بڑھ جانے میں انہوں نے کبھی بھی پلٹنا پسند نہ کیا۔ ایسے میں ان دونوں بیساکھیوں کے سہارے حکومت کتنے دن چلے گی یا پھر وزیر اعظم نریندر مودی پہلے کی طرح فیصلے کر پائیں گے یا نہیں؟ کشش وپنچ کی یہی کیفیت دراصل وزیر اعظم نریندر مودی کی مجبوری ہے۔

مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو اس الیکشن نے بی جے پی کے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے، جس کی جانب خود آر ایس ایس کے چیف موہن بھاگوت نے بھی گزشتہ دنوں اشارہ کیا۔ وزیر اعظم اور ان کی پارٹی سے متعلق موہن بھاگوت کی گفتگو ان کا اندرونی معاملہ ہوسکتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس الیکشن نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہاں کی مٹی میں نفرت کے بیج نہیں اگائے جا سکتے ہیں۔ یہ محبت کی سرزمین تھی اور محبت کی ہی سرزمین رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت میں عدم شمولیت کے باوجود سب کی سب سے بڑی اقلیت اور انصاف پسند اکثریت عوام کے فیصلے سے خوش ہیں اور دنیا میں بھی ہندوستانی ووٹروں کی تعریف ہو رہی ہے کہ انہوں نے فاشزم کو بیک فٹ پر پہنچنے پر مجبور کر دیا۔

haneef5758@gmail.com

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کیلئے کوششیں

ڈاکٹر جاوید عالم خان

1947 میں جب ملک آزاد ہوا، اس وقت ملک میں خواندگی کی مجموعی شرح صرف 8 فیصد تھی جو 2011 میں اضافے کے ساتھ 74 فیصد کے آس پاس تھی، اس میں خواتین اور مردوں کی شرح بالترتیب 82 اور 65 فیصد تھی جبکہ مسلمانوں میں یہ شرح 68 فیصد تھی، وہیں عیسائیوں میں 85 فیصد تھی۔ مسلمانوں میں شرح خواندگی دلت اور قبائلیوں کے مقابلے کم ہے۔ آزادی کے بعد سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی کوششوں کی وجہ سے شرح خواندگی میں اضافہ ہوا ہے لیکن مختلف طبقات کے درمیان ابھی بھی عدم مساوات موجود ہے، پسماندہ طبقات جیسے دلت اور قبائلیوں کے لیے مرکزی حکومت نے تعلیمی اداروں میں داخلے کے لیے ریزرویشن کی پالیسی کو نافذ کیا جبکہ اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے لیے (سوائے چند ریاستوں کے) اس طرح کی کوئی ریزرویشن پالیسی تعلیمی اداروں میں داخلے کے لیے نہیں بنائی گئی ہے، البتہ آئین کے آرٹیکل 29 اور 30 کے ذریعہ اقلیتوں کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے تعلیمی اور ثقافتی اداروں کا قیام کریں اور ان اداروں کو چلانے کے لیے ہر طرح سے آزادی دی گئی۔ 2005 میں نیشنل کمیشن فار مائنارٹی ایجوکیشن انسٹیٹیوشن (NCMEI) کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد اقلیتوں کے ذریعہ قائم کیے گئے تعلیمی اداروں کو اقلیتی حیثیت دینا تھا۔ اس ادارے نے بڑے پیمانے پر اقلیتی اداروں کو تسلیم کیا اور ان کو قانونی حیثیت دی جس سے یہ اقلیتی ادارے حکومت کے ذریعہ تعلیم سے متعلق چلائی جارہی تمام اسکیموں کا فائدہ اٹھا سکیں۔

تعلیمی نظام کو مضبوط کرنے کے لیے مرکزی حکومت نے چار قومی تعلیمی پالیسی کا اعلان کیا۔ پہلی قومی تعلیمی پالیسی کا نفاذ 1968 میں کیا گیا اور بعد میں 1986 اور 1992 میں بھی قومی تعلیمی پالیسی کو نافذ کرنے کی کوشش کی۔ 2020 میں ایک اور قومی تعلیمی پالیسی کا اعلان کیا گیا۔ تمام قومی تعلیمی پالیسیوں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دیہی علاقوں میں رہنے والے پسماندہ دلت، قبائلی بچوں اور بچیوں پر خاص توجہ دی جائے گی، اس کے علاوہ اقلیتوں کو بھی تعلیم کے مساوی مواقع فراہم کیے جائیں گے مزید یہ کہ معذوروں کے لیے بھی تعلیم سے متعلق ساری سہولتوں کی فراہمی کو بہتر بنایا جائے گا۔

آئین کے مطابق مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے لیے تین طرح کی فہرست وضع کی گئی تھیں جن کو مرکزی، صوبائی اور متفقہ فہرست (Concurrent List) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ تعلیم کو صوبائی فہرست میں رکھا گیا تھا لیکن 1967 میں آئین میں 42 ویں ترمیم کے ذریعہ تعلیم کو متفقہ فہرست کا حصہ بنایا گیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ مرکزی حکومت کو تعلیم کو فروغ دینے کے لیے مرکزی اور صوبائی حکومتیں مشترکہ طور پر کام کریں گی لیکن تجربہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ تعلیم کو فروغ دینے کے لیے زیادہ تر ذمہ داریاں صوبائی حکومتوں کے پاس ہیں۔ 1968 میں کوٹھاری کمیشن نے یہ سفارش کی تھی کہ تعلیم پر جی ڈی پی کے جی ڈی پی شرح 6 فیصد خرچ کیا جائے گا۔ نئی تعلیمی پالیسی 2020 نے بھی اس بات پر زور دیا ہے۔ سال 23-2020 کے اعداد وشمار سے یہ پتا چلتا ہے کہ تمام صوبائی حکومتیں تعلیم پر اپنے جی ایس ڈی پی کا 7.6 فیصد خرچ کر رہی ہیں، وہیں مرکزی حکومت جی ڈی پی کی شرح میں 37. فیصد خرچ کر رہی ہے۔

تعلیم کے میدان میں مرکزی حکومت نے کئی ساری اسکیموں کی شروعات کی، ان میں ضلع پرائمری ایجوکیشن پروگرام اہم پروگراموں میں سے ایک تھا، بعد میں مرکزی حکومت نے اسی طرز پر سروشکشا ابھیان کا اعلان کیا جس کا مقصد بنیادی تعلیم کو ہمہ گیر بنانا تھا۔ اس کے علاوہ اہم پروگراموں میں سکنڈری ماڈل ایجوکیشن پروگرام فار ایکیشن آف گرلس ایٹ اینٹرمیڈیٹ لیول (این پی ای جی ای ایل)، مڈ ڈے میل اسکیم، مہیلا سمکھیا، راشٹریہ مادھیمک شکشا ابھیان، ماڈل اسکول ایکارشپ اور گرلس ہاسٹل بھی شامل ہیں۔ اس وقت مرکزی حکومت سرو شکشا ابھیان کی اسکیم چلا رہی ہے جو سینئر سیکنڈری تک کی تعلیم کا احاطہ کرتی ہے۔ لیکن یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ 2009 میں حکومت نے تعلیم کی سہولتوں کو بہتر بنانے اور اس کو عام کرنے کے لیے پارلیمنٹ کے ذریعہ ایک قانون بنایا جس کا نام مفت اور لازمی تعلیم کا قانون (The Right of Children to Free and Compulsory Education Act, 2009 (RTE)) ہے، اس کے تحت 6 سے 14 سال کے بچوں کے لیے مفت اور لازمی تعلیم فراہم کی جا رہی ہے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود حکومت تعلیم کے میدان میں اپنے متوقع نتائج کو حاصل نہیں کر پائی ہے۔ جس کی کئی وجوہات ہیں جیسے کہ اسکولوں میں اساتذہ کی کمی، ٹریننگ کے مواقع کی کمی، پانی، ٹوائلٹ، بجلی اور دوسرے بنیادی انفرا اسٹرکچر کی عدم فراہمی شامل ہے۔ جیسا کہ ہمیں پتا ہے کہ سرکاری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی بڑی تعداد دلت، قبائلی، پسماندہ طبقات اور اقلیتوں کے طلبا وطالبات کی ہے۔ بنیادی سہولتوں کی کمی کی وجہ سے طلبا وطالبات کی ایک بڑی تعداد اسکول چھوڑ دیتی ہے اگر کینڈریہ ودیالیہ اور نوودیہ ودیالیہ کی تعلیمی کارکردگی کا عام سرکاری اسکولوں سے موازنہ کیا جائے تو ان کی کارکردگی عام سرکاری اسکولوں سے کافی بہتر ہے۔ تجربہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان دونوں اسکولوں پر عام سرکاری اسکولوں سے کئی گنا زیادہ بجٹ حکومت خرچ کر رہی ہے، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں اور دوسرے طبقات کی تعلیمی پسماندگی کی اہم وجہ تعلیم پر سرکاری اخراجات کی کمی ہے۔ حکومت کو تمام سرکاری اسکولوں کو کینڈریہ ودیالیہ کی طرز پر چلانا چاہیے۔

> **مرکزی اور ریاستی حکومتیں اسکولی اور اعلیٰ تعلیم کے میدان میں عوامی سرمایہ کاری کا مزید اضافہ کریں اور داخلوں میں مسلم بچوں اور بچیوں کو ان کی آبادی کے تناسب کے حساب سے جگہ دیں۔**

اعلیٰ تعلیم، تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے میدان میں آزادی کے بعد مرکزی حکومت نے یونیورسٹی، آئی آئی ٹی، آئی آئی ایم اور دیگر اہم تعلیمی اداروں کو قائم کیا لیکن 2000 کے بعد اعلیٰ تعلیم کے میدان میں حکومت نے اپنے سرکاری اخراجات دھیرے دھیرے کم کر دیے ہیں اور اس میدان میں نجی اور غیر ملکی سرمایہ کاری کو فروغ دے رہی ہے جس کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم کافی مہنگی ہوگئی ہے اور غریب طبقات کی پہنچ سے باہر ہوتی جا رہی ہے۔ اقلیتوں کی تعلیم کے لیے مرکزی حکومت نے وزیر اعظم کی 15 نکاتی پروگرام اور ملٹی سیکٹورل پروگرام جیسی پالیسیوں کے ذریعہ بہت کوششیں کی ہیں، ان پروگراموں کے تحت مدرسہ جدید کاری اسکیم، اسکالرشپ پروگرام اور تقلیدی آئی ٹی آئی کی تعمیر کی گئی ہے لیکن نفاذ کے گزشتہ 17 سالوں کے دوران مسلم طلبا کی وجہات کی بنا پر ان اسکیموں کا فائدہ نہیں اٹھا سکے جس میں مثلاً عوام میں ان اسکیموں کے بارے میں بیداری کی کمی ہے جس کی وجہ سے ان کی شرکت ان اسکیموں میں مناسب طریقے سے نہیں ہو سکی ہے۔ اس کے علاوہ مکتوبی سطح پر اسکیموں کے نفاذ میں کافی کمیاں ہیں، سرکاری اداروں کی خراب کارکردگی اور عوام میں انگلش میڈیم اسکولوں کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے گزشتہ 20 سالوں میں بڑی تعداد میں پرائیویٹ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں، اس عمل میں مذہبی، سماجی تنظیموں اور تجارت سے جڑا طبقہ شامل ہوا ہے۔ عیسائی مشنریوں اور آر ایس ایس کے کارکنوں نے سب سے پہلے ہی پرائیویٹ اسکول قائم کرنا شروع کر دیے تھے جبکہ مسلم مذہبی اور سماجی تنظیموں نے اس کی شروعات کافی دیر سے کی ہے تاہم بہت سے مدارس مسلم تنظیموں کے ذریعہ چلائے جا رہے تھے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی صورتحال کو اور بہتر بنانے کے لیے کیا جائے جس سے کہ وہ بنیادی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک دوسرے سماج کی برابری کر سکیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کام یہ ہے کہ ہمارے سیاسی وملی رہنما اور غیر سرکاری تنظیموں کو حکومت کے ساتھ ایڈوکیٹ کرنا چاہیے کہ سرکاری اور ریاستی حکومتیں اسکولی اور اعلیٰ تعلیم کے میدان میں عوامی سرمایہ کاری کا مزید اضافہ کریں اور داخلوں میں مسلم بچوں اور بچیوں کو ان کی آبادی کے تناسب کے حساب سے جگہ دیں۔ جہاں تک پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو چلانے اور ان تعلیمی اداروں کو کھولنے کا سوال ہے، اس میں بھی مسلمانوں کی مذہبی وفرقانی تنظیموں اور تاجر طبقہ کو آگے آنا چاہیے۔ مسلمانوں کے زیادہ چلائے جا رہے تعلیمی اداروں کے مشاہدے سے یہ پتا چلتا ہے کہ اگر مسلم اداروں کا موازنہ دوسری قوموں کے اداروں کے تعلیمی معیار سے کیا جائے تو زیادہ تر مسلم اداروں میں تعلیم کا معیار بہتر نہیں ہے۔ دیہی علاقوں میں معیار تعلیم کی صورتحال اور بھی خراب ہے، اس خراب معیار تعلیم کی وجہ اچھے اساتذہ کی عدم دستیابی اور ان کو بہتر ٹریننگ کے مواقع نہ فراہم کرنا ہے۔ خراب معیار تعلیم اور والدین کی غربت کی وجہ سے 25 فیصد سے زیادہ بچے اسکول چھوڑ دیتے ہیں اور اعلیٰ تعلیم کی طرف نہیں جا پاتے ہیں، اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ پرائیویٹ اسکولوں کے لیے اساتذہ کے لیے ٹریننگ اور کاؤنسلنگ مراکز کے قیام کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم کے معیار کو بہتر بنایا جائے اور بچوں اور ان کے والدین کے لیے کاؤنسلنگ کے پروگرام منعقد کیے جائیں، وہیں اس بات پر زور دیا جائے کہ ہمارے غریب بچے اعلیٰ تعلیم کے مرحلہ میں شامل ہوں۔

(مضمون نگار اقتصادی امور کے تجزیہ نگار ہیں)

jawedalamk@gmail.com

اداریہ

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA PATNA

جسٹس وشوانا تھن کی تشویش

اظہار رائے کی آزادی جمہوریت کا ایک اہم پہلو ہے اور اسے بنیادی حق کا درجہ حاصل ہے۔ فی زمانہ انفارمیشن ٹیکنالوجی پر مبنی انٹرنیٹ کے ذریعہ چلائی جانے والی سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس نے اظہار رائے کے بے پناہ مواقع اور سہولتیں دستیاب کرا رکھی ہیں۔ ان سہولتوں کی وجہ سے اظہار رائے کی آزادی کے نام پر حق اور سچ کی ترویج و اشاعت کے ساتھ جھوٹ، افترا پردازی، گمراہی، افواہ اور غلط معلومات بھی پھیلائی جا رہی ہیں۔ جھوٹی خبروں اور پروپیگنڈ کے مکمل پھیلاؤ ملک کیلئے ایک سنگین سماجی چیلنج بن گیا ہے اور اس کی وجہ سے سڑکوں پر ہنگامے اور ماب لنچنگ کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اظہار رائے کی آزادی کے نام پر جعلی خبروں اور نفرت انگیز تقریروں کے ساتھ سائبر کرائم جیسے ہیکنگ اور فشنگ میں بھی اضافہ ہوگیا۔ غلط معلومات کی وجہ سے انسان کی اخلاقیات اور اقدار نیست نابودی کی نذر ہو رہی ہیں، اب اجتماعی زندگی اور قانون کی حکمرانی کیلئے بھی چیلنج بن رہی ہے۔ کیوں کہ غلط معلومات کو مکمل منصوبہ بندی کے بعد منظم طریقے سے پھیلایا جاتا ہے اور لوگ پلورائز ہو جاتے ہیں اور اس کی بنیاد پر رائے قائم کرتے ہوئے فیصلے کیے جا رہے ہیں۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس سوئے استعمال پر سپریم کورٹ کے جج جسٹس کے وی وشوانا تھن نے سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ غلط معلومات نے لوگوں کو پلورائز کیا ہے اور معاشرے میں ایک خاص قسم کی رائے ابھارنے کا سبب بن رہی ہیں۔ جسٹس کے وی وشوانا تھن کے مطابق فی زمانہ غلط معلومات سب سے سنگین خطرہ کے طور پر ابھری ہیں اور قانون کی حکمرانی کو سنگین طور پر متاثر کرتے ہوئے یہ ریاست اور اس کے قانونی نظام کو الجھا سکتی ہیں۔

کیرالہ ہائی کورٹ میں منعقد جسٹس ٹی ایس کرشنا مورتی ایر یادگاری خطبہ میں جسٹس وشوانا تھن نے کہا کہ ہم ڈیجیٹل دور کے ایک نازک موڑ پر کھڑے ہیں جہاں معلومات کا دھماکہ ہے۔ فیس بک، واٹس ایپ اور یوٹیوب جیسے معلومات کے غیر روایتی ذرائع معلومات کو بہت تیز رفتاری سے پھیلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور معلومات اس کی اثر اندازی کی وجہ سے ریاست اور قانونی نظام خود کو مخمصے کا شکار پا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے دیگر معاملات کے علاوہ قانون کی حکمرانی پر بھی شدید اثر پڑ سکتا ہے۔ انہوں نے غلط معلومات کی بنیاد پر بننے والی رائے اس کی بنیاد پر کیے گئے فیصلوں کے سلسلے میں متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ اسے ایک سنگین مسئلہ کے طور پر دیکھ رہے ہیں۔ اوگ اب یہ پوچھ نہیں لگا پا رہے ہیں کہ خبریں کہاں سے آ رہی ہیں اور انہیں حقیقت اور افسانے میں فرق کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ چند برسوں بعد جب ہمیں یہ احساس ہوگا کہ ہمارے فیصلوں کی بنیاد غلط معلومات تھیں تو ہم سب کیلئے اس پر یقین کرنا مشکل ہو جائے گا اور معاشرے میں بے اعتمادی کا ماحول پیدا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے اسے روکنے کی ضرورت پر زور دیا۔

غلط معلومات اور افواہوں سے ہورہے پلورائزیشن کے نتیجے میں پڑھ رہی فرقہ واریت اور انسانیت دشمنی کے اس دور میں جسٹس وشوانا تھن کا اسے روکنے کی ضرورت پر زور دینا حکومت کے سامنے ایک ایسا بھاری پتھر لا کھنا ہے جتنے وہ اٹھانے کے بجائے چوم کر چھوڑ دینے کی عادی رہی ہے۔ سوشل میڈیا ضابطۂ اخلاق کی جب بھی بات کی گئی تو حکومت نے سارا نزلہ اپنے مخالفین پر ہی نکالا، ان کے اکاؤنٹس بند کیے، گرفتاریاں اور جیل بھیجا۔ پالیسی سازاداروں کی اس بجوبز کو بھی کٹر پریوں میں ڈیجیٹل میڈیا خواندگی مہم اور اسکولی نصاب میں شمولیت کو اس نے درخور اعتنا نہیں جانا۔ عوام کے دباؤ اور سول سوسائٹی کی جانب سے بار بار زور دیے جانے کی وجہ سے اس نے کھلے ہی سوشل میڈیا کے سلسلے میں قانون سازی کا عندیہ دے رکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا منشا اس بے لگام طوفان کو یوں ہی جاری رکھنا ہے۔ کیوں کہ غلط معلومات، جھوٹی خبروں اور افواہوں کے زور پر ہی حکومت کا کاروبار چل رہا ہے۔ یہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے کہ حالیہ 2024 کے عام انتخابات میں غلط معلومات، افواہوں اور جھوٹی خبروں نے حکمراں جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کی جیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ 90 سے زائد سیٹوں پر بی جے پی کی کامیابی سوشل میڈیا کے ذریعہ پھیلائے جانے والے جھوٹ اور غلط معلومات کی ہی رہین منت رہی ہے۔ اس سے قبل بھی 2019 میں بی جے پی کی کامیابی میں اس سوشل میڈیا، جھوٹی خبروں، افواہوں اور غلط معلومات کا بھاری حصہ رہا تھا۔

جسٹس وشوانا تھن نے مسئلہ کے جن پہلوؤں کی نشاندہی کی، وہ بجا طور پر سنگین ہیں اور اپنے غلط استعمال کی وجہ سے سوشل میڈیا ایک ایسا ہتھیار بن چکا ہے جو قانون کی حکمرانی کیلئے چیلنج تو ہے ہی، اگر اس پر قابو نہیں پایا گیا تو یہ ملک کی سالمیت اور استحکام کی جڑیں بھی کاٹ دالے گا۔ ضرورت ہے کہ حکومت لوگوں کے اظہار رائے اور پرائیویسی کے حق کی خلاف ورزی کے بغیر سوشل میڈیا کے غلط استعمال کو روکنے کیلئے تمام فریقین کی مشاورت سے نئے آپشنز تلاش کرے۔

edit2sahara@gmail.com

اندازِ حکمرانی کی بابت مشورہ

مکرمی!

اداریہ ''اند